ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

محمد سرفراز❁

خدیجہ مستور کے ناولوں میں عُمرانی شعور

Social Consciousness in Khadija Mastoor's Novels

By *Muhammad Sarfaraz, Lecturer, Dept. of Urdu, Govt. Graduate College, Samadari.*

Abstracts

The relationship between literature and society is natural and bilateral. Literature influences the society and gets influenced by it as well. No writer can remain indifferent to the changes happening in his era and society. The Urdu novel has this uniqueness that since its inception it has been associated with social realism. Khadija Mastoor enjoys special status among Urdu novelists, with regard to the awareness of the social consciousness and true depiction of it with the related context. She is one of those novelists who are not detached from the society and social problems it is pregnant with. This article presents a research based critical review of the representation of the society along with its various facets in her novels. Her novels present a true picture of the Indian society before partition and of that which emerged after the creation of Pakistan. Her writings help one understand the rapid changes occuring in the society in both of the eras, the dismantling of the social values and the causes of moral crisis happening with those changes. Her *Aangan* is the narrative depiction of the society existed in united India,

❁ لیکچرر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، سمندری

while *Zameen* shows the cross section of social life in Pakistan.

Keywords: Social consciousness, Khadija Mastoor, Society, Urdu Novel, Aangan, Zameen, Social values, Social realism.

ادب اور معاشرے کا تفاعل گہرا اور دو طرفہ ہے۔ ادب معاشرے کا عکاس بھی ہے اور حقائق کی جہت نمائی کا آئینہ بھی، سماج کی پیداوار بھی ہے اور سماج کی تشکیل نو کا ذریعہ بھی۔ سماجی نشیب و فراز، تہذیبی و ثقافتی تغیرات، سیاسی و تاریخی تموجات، فکری و نفسیاتی رجحانات، معاشی و اخلاقی امتیازات کی جو سچی اور کھری تصویر کشی ادب کے حصے میں آئی ہے گزشتہ و رفتہ کی بازدید اور آئندہ کی پیش بینی ادب کے کے علاوہ کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں، کیونکہ ادب معاشرے کی مخفی و جلی حقیقوں کا وہ ترجمان ہوتا ہے جو لگی لپٹی اور مصلحت سے واسطہ نہیں رکھتا۔ بالفرض وہ خود کو ان رسوم کا پابند کرلے تو پھر وہ سماجی و عمرانی حقائق کا ترجمان نہیں جھوٹ کا دفتر بن جاتا ہے جسے تعصباتی و قائع نویسی سے زیادہ کوئی حیثیت حاصل نہیں ہوتی قاری اسے بیک نظر رد کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس نوعیت کا ادب عموماً سماج میں وقار واعتبار حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔

ادیب دراصل عمرانی تبدیلیوں اور تموجات کو کیمرے کی نظر سے دیکھتا اور دکھاتا ہے۔ ساتھ ہی حسیاتی ادراک کی کٹھالی سے حالات وواقعات کو گزار کے تخلیقی تجربے کے ساتھ جزو میں کل کی تصویر پیش کرتا ہے بقول ڈاکٹر محمد حسن:

> ہر شاعر اور ادیب کی نجی حسیت وسیع تر اجتماعی حسیت کا حصہ بھی ہے اور اس کی نمایندہ بھی اور انفرادی حسیت ہی نہیں انفرادی زندگی اور انفرادی رویوں کا مطالعہ بھی پورے سماج کے مطالعے پر محیط ہو جاتا ہے۔ اور یہی رویے کبھی ادب کی دھوپ چھانوں میں ظاہر ہوتے ہیں کبھی دوسرے علوم وفنون کے رنگ و آہنگ میں اور کبھی سماج کی ساخت اور اس کی تبدیلیوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔[(۱)]

اس بات میں دو رائے نہیں کہ کسی عہد، سماج، جغرامی عہد، سماج، جغرافیے، خطے قوم اور طبقۂ افراد کے متعلق اگر حقیقی نوعیت کی معلومات درکار ہوں تو دیگر ذرائع کے ساتھ ادب کا مطالعہ انتہائی ناگزیر ہوگا چاہے ادب دیگر سماجی علوم کی طرح معاشرے کا سائنسی طرز سے تجزیہ نہ کرے تاہم اس میں کسی قوم کے آدرش، نظریات،

تخیلات، خدشات، اوہام، امکانات، خواہشات کے مرقعے اصل حالت میں موجود ہوتے ہیں جن سے صرف نظر ممکن نہیں۔

عمرانیات کا موضوع اگر گروہی زندگی اور ماحول ہے تو ادب بھی انفرادی واجتماعی ماحول کا بیان ہے۔ عمرانیات کا علم بنیادی طور پر انسانی کردار اور معاشرے کے سائنسی مطالعے کا نام ہے جس میں سماجی روابط، اداروں اور انسانی رویوں کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے یوں اس علم کا تعلق گروہی اور معاشرتی زندگی سے جڑتا ہے اور گروہ اور ثقافت کا آپس میں لازم وملزوم کا تعلق ہے۔ ادب بھی ان ثقافتی مظاہر میں سے ایک ہے جو ظاہر وباطن کے علاوہ ذاتی واجتماعی احوال غیر سائنسی انداز سے سامنے لاتا ہے۔ اس لیے یہ دونوں علوم سماج کی تفہیم کا کام کرتے ہیں۔
فکشن کو شاعری کے مقابلے میں وسعت اور پھیلاؤ کی سہولت میسر ہوتی ہے وہ ان معاملات کو جزئیات اور تفاصیل سے بیان کر سکتا ہے جن کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اردو ناول کو روز اول سے ہی یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ یہ معاشرتی حقائق اور سماجی رسوم وروایات کا ترجمان رہا ہے۔ ابتدائی دور کا ناول چاہے جس نوعیت کی مقصدیت سے بھی وابستہ رہا ہو ہے یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اس میں سے اس عہد کی تہذیب، ثقافت نجی ومعاشرتی زندگی اظہر من الشمس ہے۔ یہی حال بعد میں آنے والے تخلیق کاروں کے ناولوں کا ہے۔ کیونکہ فن جب تک زندگی اور گردو پیش سے انسلاک نہیں کرے گا تب تک وہ حقائق کی دریافت وپیش کش کا حق ادا نہیں کر سکے گا نہ خود کو منوا سکے گا۔

سماجی حسّیت اور عمرانی شعور کے حوالے سے اگر اردو ناول کا تجزیہ کیا جائے تو خدیجہ مستور (۱۹۲۷ء-۱۹۸۲ء)[۲] کے کا نام نمایاں نظر آئے گا۔ وہ ان تخلیق کاروں میں سے ایک ہیں جو نہ صرف تہذیب وثقافت اور سماج سے جڑے ہوئے ہیں بلکہ سماجی حرکیات، رسوم، تغیرات، معاشرتی اعمال وحقائق، سماجی معیارات (Social Norms) گروہی زندگی، معاشرتی تنظیم، اداروں، قواعد وضوابط، ثقافت پذیری، سماجی معاملات پر خرد بینی نگاہ رکھتے ہیں اور حیطۂ ادراک میں آنے والے والی معلومات کو محسوسات کے ذریعے تخلیقی رنگ عطا کرنے کا ڈھنگ بھی جانتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی تخلیقیت کسی قسم کی مقصدیت کے ہاتھوں مجروح نہیں ہونے پاتی۔ خدیجہ مستور کے ناولوں میں گہرا سماجی مشاہدہ اور شعور سماجی تغیرات کو گرفت میں لے کر سلیقے سے پیش کرنے کا انداز قارئین کو چونکاتا ہے۔ اگرچہ ان کا شاہکار آنگن سمجھا جاتا ہے لیکن سوچ کا عمرانی زاویہ تسلسل کے ساتھ زمین میں بھی نظر آتا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

لفظ آنگن ان کے یہاں عمرانی نقطہ نظر سے ایک بلیغ علامت کے طور پر ابھرتا ہے۔ جس میں غیر منقسم ہندوستان میں خاص عہد کے دوران میں رونما ہونے والے سماجی، سیاسی انقلابات کی دلچسپ تصویر نظر آتی ہے مزید ناول میں گروہی تعصّبات، تصادم، یاسیت و قنوطیت، انتشار اور نا آسودگی بھی ملتی ہے اور مسابقت، حریت پسندی، آزاد روی، قربانی خدمت اور سیاسی و سماجی آگہی بھی نظر آتی ہے۔ آنگن زمین کے مقابل چاہے محدود علامت ہی کیوں نہ ہو لیکن اس ناول کا کینوس وسیع ہے کیوں کہ یہ جس عہد کی تصویر کشی کرتا ہے وہ ہندوستان کی سماجی و سیاسی تاریخ میں تیزی سے بدلتے حالات و واقعات کا دور ہے، جہاں صدیوں پرانی اقدار و روایات دم توڑ رہی ہیں تھیں نئی جنم لے رہی تھیں رد و قبول کی جنگ جاری تھی۔ مصنفہ نے اس عہد کے عمرانی پہلو کو اہمیت دی ہے۔

خاندان معاشرے کا بنیادی اور اہم ادارہ متصور ہوتا ہے جو معاشرے کی اقدار و روایات کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے ناول بھی بنیادی طور پر یوپی کے ایک خاندان کی گھریلو اور اس سے جڑی ہوئی اجتماعی و معاشرتی زندگی کی تصویر دکھاتا ہے جو پدر سری نظام کے تحت چل رہا ہے لیکن افراد خانہ کو جمہوری طور پر اپنے نظریات اور اختلافات کے اظہار کا حق حاصل ہے جو بدلتے سماجی نظام کی طرف اشارہ بھی ہے۔ جہاں سماجی تبدیلی کا عمل جاری ہے مگر سست روی کے ساتھ افراد اختلافی رائے کا اظہار کرتے ہیں مگر لازم نہیں کہ ان کی رائے کا احترام بھی ہو۔ معاشرتی انحراف سے المیہ انجام کا شکار ہونے والوں میں سلمہ پھوپھی، تہمینہ آپا اور کسم دیدی کے کردار بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ جو عورت کے ساتھ روا رکھے جانے والے صدیوں پرانے معاشرتی جبر کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ جس میں مرد کو معاشرے میں شرم اور طعنوں کے ڈر سے خودکشی کی ضرورت پیش نہیں آتی لیکن عورت کو کم یا بیش ایسے ہی انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تہمینہ کی خودکشی کے اسباب چاہے سماجی سے زیادہ ذاتی اور گھریلو بھی ہوں لیکن کسم کے سماجی ہیں جو معاشرتی تغیر کی راہ میں اقدار کی رکاوٹ کو ظاہر کرتے ہیں۔ اول الذکر کی موت کے محرکات میں بھی اگر دیکھا جائے تو اسی معاشرتی سوچ کی کار فرمائی ملتی ہے جو طبقاتی نظام پر مبنی ہے۔ جس میں جاگیردارانہ سوچ برتری کے احساس میں مبتلا ہے اگرچہ وہ نظام بوسیدہ ہو کر شکست و ریخت کے مراحل سے گزر رہا ہے تاہم روایتی اکڑ ابھی باقی ہے۔

دوسری طرف اگر زمین میں دیکھا جائے تو یہاں بھی معاشرتی جبر اور مرد برتر معاشرے میں مجبوری یا مصلحت کے تحت استحصال کا شکار بننے والے نسوانی کردار ملتے ہیں جن میں بوڑھے کی بیٹی، لالی اور تاجی نمایاں ہیں

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

اور پھر بوڑھے کی چیخ پکار پر تبصرے مستزاد:

> بابا! تم کس بیٹی کو پکار رہے ہو؟ وہ بیٹی تھی بابا! وہ لوٹ کا سب سے قیمتی مال تھی۔ وہ تمھارے چیخنے سے واپس نہیں آئے گی۔ تمھاری آواز اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ (۳)

اس ناول کا پلاٹ بھی قیام پاکستان کے بعد ایک خاندان کی زندگی کے گرد گھومتا ہے نیا نیا وجود میں پذیر ہونے والا معاشرہ جس جھوٹ، منافقت، حرص، لالچ، خود فریبی اور استحصال پر استوار ہو رہا ہے اس کے نتائج کی طرف اشارہ، مصنفہ کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دونوں ناول اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ خاندان کی مرکزیت دراصل افراد خانہ کے باہمی ربط اور نظریہ ضرورت کے تحت ہوتی ہے۔ جب خود انحصاری اور اقدار کی پاسداری کا خیال جاتا رہے تو افراد منتشر ہو کر خاندان جیسے صدیوں پرانے ہندوستانی سماجی ادارے کے انتشار کا سبب بنتے ہیں۔ وقت کے تقاضے اور نئی معاشی و سماجی ضروریات پرانی اقدار وروایات کے بدلنے کا سبب بنتی ہیں۔ چاہے اس میں سرپرستِ خانہ کی حکم عدولی ہی کیوں نہ ہو۔

> کوئی نہیں جا سکتا میری اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں نکال سکتا کس لیے جاؤ گے پاکستان؟ یہ ہمارا ملک ہے ہم نے قربانیاں دی ہیں اور اب ہم اسے چھوڑ کر چلے جائیں؟ اب تو ہمارے عیش کرنے کا وقت رہا ہے۔ بڑے چچا سخت جوش میں تھے۔ (۴)

بڑے چچا کا جوش و خروش اس وقت مایوسی اور دکھ کے جذبات میں تبدیل ہوتا ہے جب انھیں اس حکم کا جواب غیر متوقع طور پر سننا پڑتا ہے۔

> ماشاءاللہ آپ بڑے حق دار بن کر آ گئے، نہ کھلانے کے نہ پلانے کے۔ کون سا دکھ تھا جو یہاں اگر نہیں جھیلا، میرے شوہر کو بھی آپ ہی نے چھین لیا۔ آپ ہی نے انھیں مار ڈالا۔ میری لڑکی کو یتیم کر دیا اور اب حق جتا رہے ہیں، مارے غصے کے اماں کی آواز کانپ رہی تھی۔ (۵)

اسی طرح کا خاندانی بگاڑ اور انتشار زمین میں مالک کے خاندان کا بھی نظر آتا ہے۔ جس میں افرادِ خانہ ایک مخصوص وقت تک نظریہ ضرورت کے تحت اکٹھے رہتے ہیں مگر جب ان میں خود انحصاری آ جاتی ہے اور مفادات یکساں نہیں رہتے تو وہ تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ خاندان کے علاوہ دیگر اہم سماجی اداروں میں سیاسی اور اس کے ساتھ مذہبی، تعلیمی، معاشی اداروں کا کسی نہ کسی نہج سے ناول میں کردار زیرِ بحث رہا ہے۔ دونوں ناول سماج میں سیاست اور اس کے اثرات کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ آنگن دو بڑے سیاسی نظریات کی آویزش کا احوال ہے تو زمین

میں روشن خیالی، انصاف پسندی کی رجعت پسندی اور جاگیر دارانہ سوچ کے مابین مسابقت دکھائی گئی ہے۔ دونوں ناول اپنے عہد کا مکمل سیاسی نقشہ پیش کرتے ہیں آنگن میں مسلم لیگ کانگریس، تحریک آزادی، انگریز مخاصمت و موافقت، جناح، گاندھی، نہرو، کمیونسٹ پارٹی، خاکسار تحریک، سانحہ جلیانوالہ، ہندو مسلم فسادات، قرارداد لاہور، جنگ عظیم، ہٹلر، کیبنٹ مشن، جلسے جلوس، ماؤنٹ بیٹن، تقسیم ہند کا ذکر ہے تو زمین سرحدی تنازعات، لوٹ مار، قتل و غارت مہاجرین کی آبادکاری، کشمیر تنازع، لیاقت علی خان کا قتل، مارشل لاء، سیاسی و نظریاتی اختلاف کی عدم برداشت جیسے موضوعات کا احوال بیان کرتا ہے۔ مصنفہ نے سیاست کے تاریخ، ثقافت، سماج، انسانی سوچ پر مرتب ہونے والے اثرات کا بخوبی تذکرہ کیا ہے۔ اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ سیاست چاہے ہر لمحہ متغیر اور غیر مستقل ہو لیکن اس کے نتائج و عواقب دوررس ہوتے ہیں۔ یہاں ناول نگار کا یہ اختصاص بھی نمایاں ہوتا ہے کہ اس نے سیاسی حالات وواقعات کو مؤرخ کے انداز سے نہیں بلکہ تخلیق کار اور ماہرِ سماجیات کے انداز سے پیش کیا ہے۔ اگرچہ تاریخ اور عمرانیات دونوں عمرانی مظاہر کے مطالعے کا انداز اپناتے ہیں مگر مؤرخ وقوع پذیر ہونے والے حالات وواقعات کا احوال رقم کرتا ہے جبکہ ماہرِ عمرانیات ان محرکات ورجحانات کا تجزیہ کرتا ہے، اور کار فرما وجہوں اور بنیادوں تک رسائی حاصل کرتا ہے، اور مصنفہ نے دونوں جگہ حالات وواقعات کے بیان کے ساتھ محرکات اور وجوہات پر توجہ صرف کی ہے، اور ان دیدہ و نادیدہ اسباب کا بین السطور ذکر کیا ہے جو کسی واقعے یا سوچ کی تشکیل میں بنیاد کا کام کرتے ہیں۔

مذہبی اداروں اور خاندان کا آپس میں گہرا ربط ہوتا ہے کیونکہ خاندان عموماً مذہبی اداروں کی اقدار و روایات کے تابع ہوتا ہے اور انھی کی طے کردہ روایات کے مطابق افرادِ خانہ کی تربیت کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ بچے عقائد اور مذہب کی تعلیم خاندان اور مذہبی تعلیمی اداروں مسجد، مکتب وغیرہ سے ہی حاصل کرتے ہیں، اس کے علاوہ شعائر بھی مذہبی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ دونوں ناولوں میں مذہبی اداروں کا کردار اگرچہ بلاواسطہ زیرِ بحث نہیں آیا لیکن بالواسطہ طور پر رمضان، عیدین اور مذہبی تہواروں کا ذکر ملتا ہے۔ ساتھ ہی اعلیٰ ثقافتی و معاشرتی اقدار کے فروغ میں مذہبی اداروں کی کار فرمائی کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

تعلیمی ادارے افراد کی تربیت اور علوم وفنون سے آراستہ کرنے کی وجہ سے سماج میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ انسان کی ماحول سے مطابقت پیدا کرنے میں تعلیم اور تعلیمی اداروں کا مرکزی کردار ہوتا ہے۔ انھی کا تربیت یافتہ ہنر مند طبقہ معاشرتی ترقی میں معاون ہوتا ہے۔ خدیجہ مستور معاشرے میں تعلیم کے اس اہم کردار سے بخوبی

آگاہ ہیں، اس لیے ان کے دونوں ناولوں کے بیش تر کردار یا تو تعلیم یافتہ ہیں یا پھر انتہائی نامساعد حالات میں بھی تعلیم کے لیے کوشاں دکھائے گئے ہیں۔ گویا تعلیم ان کے لیے بنیادی فریضے کی حیثیت رکھتی ہے جس سے وہ دستبردار نہیں ہونا چاہتے۔ آنگن میں دادا کا سارا خاندان تعلیم یافتہ اور ملازمت پیشہ دکھایا گیا ہے۔ نجمہ پھوپھی کا کردار مزاحیہ انداز سے سہی لیکن اہلِ خانہ کو بار بار تعلیم کی طرف توجہ دلاتا نظر آتا ہے۔

> اور تم عالیہ، کہو کچھ پڑھ رہی ہو کہ نہیں؟ جی ایف اے کا امتحان دینے والی ہوں۔ عالیہ نے دھیرے سے جواب دیا۔ خوب! خوب! نجمہ پھوپھی کے چہرے پر سخت ناگواری کے آثار تھے... اور تم جمیل میاں کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے جمیل بھیا سے پوچھا۔ بس بی اے کر کے بیٹھ رہا ہوں، جمیل بھیا نے جواب دیا۔ واہ صرف بی اے سے کیا ہوتا ہے، آدمی جاہل ہی رہ جاتا ہے تھوڑی تعلیم خطرناک ہوتی ہے۔ (۲)

جمیل اور شکیل اگرچہ والد کی گھریلو معاملات میں عدم دلچسپی اور اولاد کی تربیت سے غفلت کی وجہ سے بنیادی تعلیمی سہولیات سے محروم رہے تاہم انھیں ناول میں تعلیم کے حصول میں کوشاں دکھایا گیا ہے۔ عالیہ بھی والد کی وفات کے بعد مشکل حالات میں تعلیم حاصل کرتی دکھائی گئی ہے۔ بعینہٖ زمین کے مرکزی کردار بھی ساجدہ، ناظم اور کاظم بھی تعلیم یافتہ دکھائے گئے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ سماجی اداروں میں تعلیمی اداروں کی اہمیت سے واقف ہیں، اس لیے ان کا ذکر بطور خاص ناولوں میں آیا ہے۔

سیاسی، مذہبی، تعلیمی اداروں کے درمیاں معاشی ادارے جس طرح کی اہمیت رکھتے ہیں اور معاش جس طرح انسان کی نجی و معاشرتی زندگی میں دخیل ہوتا ہے، معاشی نقصانات یا معاشی کفالت کے ذمہ دار کرداروں کی موت سے جس طرح خاندان متاثر ہوتے ہیں اور زندگی کا دھارا جس انداز سے تبدیل ہوتا ہے اس کا تذکرہ دونوں ناولوں میں ملتا ہے۔ ''آنگن'' میں جمیل اور عالیہ کا خاندان معاشی بدحالی کا سامنا کرتے دکھایا گیا ہے۔ افرادِ خانہ خاص طور پر کریمن بوا بیتے تموّل کو یاد کرتی ہیں، کیونکہ وہ تین نسلوں کی معاشی کارکردگی کی چشم دید گواہ ہیں۔ انھوں نے اس خاندان کا جاگیردارانہ تموّل بھی دیکھ رکھا ہے اور اس کا زوال بھی ان کے سامنے ہوا ہے۔ سرپرستِ خانہ کی کاروبار اور امورِ خانہ سے عدم دلچسپی اور سیاست میں ضرورت سے زیادہ انہماک جس طرح گھریلو حالات پر اثر انداز ہو رہا ہے اس کا ذکر یقیناً پُر اثر ہے۔ زمین میں معاشی آسودگی کے حامل کردار بھی ملتے ہیں اور بدحال بھی۔ زمیندار اور ناول کے آخر میں صلو کا کردار جاگیردارانہ سوچ کی عکاسی کرتا ہے، جن کے نزدیک زمین

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

کی اہمیت رشتوں ناتوں سے زیادہ ہے۔ زمیں دار کا اپنی بیوی لالی سے سلوک اس نوعیت کا ہے:

> زمیں دار صاحب کو جب زمین کے ان آٹھ مربعوں کا خیال آتا جو لالی کے باپ نے وعدہ کر کے جہیز میں نہیں دیے تھے تو وہ سارا غصہ لالی پر نکالتے، اسے جی بھر کر مارتے۔(۷)

اسی طرح صلاح الدین صلو غیر متوقع طور پر جب ناول کے اختتام پر نمودار ہوتا ہے تو بھی کم و بیش اسی سوچ کا مالک نظر آتا ہے، اور زمین کوٹھیوں کی الاٹ منٹ کے چکروں میں مارا مارا پھر رہا ہے:

> میں سرگودھا میں رہتا ہوں، اس نے شاید ساجدہ کا پورا جملہ نہیں سنا تھا۔ وہاں میری بہت سی زمین ہے، دس مربعوں میں تو صرف باغ ہے، بڑے اچھے مالٹے ہیں میرے باغ کے، خالص ریڈ بلڈ۔ میری بیوی کو بھی جہیز میں پچیس مربعے ملے ہیں ہم دونوں اپنے علاقے کے سب سے بڑے زمیندار ہیں۔(۸)

دونوں قسم کے معاشی حالات بعض دفعہ انسانی سوچ پر یکساں طور سے اثر انداز ہوتے ہیں، ایک طرف معاشی بدحالی عمر بھر کے لگے بندھوں سے کنارہ کشی پر مجبور کرتی ہے اور دوسری طرف کو خوشحالی مزید لالچ کو بڑھاتی ہے۔ زراعت کے علاوہ دیگر معاشی اداروں کا ذکر بھی دونوں ناولوں میں ملتا ہے، جن سے مجموعی سماجی ڈھانچے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مزید مختلف طبقات کی معاشی صورتحال کا اندازہ ہوتا ہے، معاش کس طرح انسانی طبائع پر اثر انداز ہوتا ہے یہ تذکرہ بھی پر لطف ہے۔ مختلف سماجی اداروں کا ذکر سماج کی کل کو سمجھنے میں معاونت کرتا ہے، کیونکہ یہی ادارے سماج کے اجزا کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مختلف ثقافتیں جب ایک سماج میں مجتمع ہوتی ہیں تو معاشرتی ضروریات کے تحت سماجی ڈھانچہ چاہے صدیوں برقرار رہے تاہم آپس میں ذہنی اور فکری چپقلش جاری و ساری رہتی ہے جس کا اظہار وقتاً فوقتاً انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر ہوتا رہتا ہے۔ سماج افراد کو باہمی ضرورت کے تحت تعلقات کے جال میں جکڑے تو رکھتا ہے اور مصلحت یا ضرورت کے تحت ان کا ایک دوسرے سے تعاون بھی ناگزیر ہو جاتا ہے لیکن لازم نہیں کہ وہ افراد کے دلوں میں سے تفاخر کا احساس بھی کم کرے۔ کیونکہ سماجی اداروں میں افرادی تعلقات کی نوعیت ایک تو یکساں نہیں ہوتی، دوسری طرف سماجی اداروں میں تعلقات رسمی عارضی اور قواعد و ضوابط کے تحت ہوتے ہیں، جنھیں حقیقی تعظیم اور انسانی مساوات پر مبنی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آنگن میں یہی نظریاتی، فکری اور ثقافتی و تہذیبی کش مکش دکھائی گئی ہے جہاں مختلف ثقافتیں آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔ دو بڑے مذہبی گروہوں کا اہم مقصد اپنا تہذیبی و

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

ثقافتی احیا ہے، تو مقتدر طاقت اپنا سیاسی رسوخ استعمال کرتے ہوئے ثقافتی بالا دستی بر قرار رکھنا چاہتی ہے، اس کوشش کا ثبوت ناول کے مختلف کردار ہیں۔ ذہنی مرعوبیت کے شکار کرداروں میں عالیہ کی والدہ، والدہ کا بھائی اور نجمہ پھوپھی نمایاں ہیں۔ نجمہ پھوپھی اگر ہر بات میں ایم اے انگریزی کا حوالہ دیتی ہیں تو والدہ بات بات میں انگریز بھاوج کا ذکر کرتی ہیں۔ جو دراصل استعمار کی پیدا کردہ نسلی، فکری و ثقافتی بالا دستی کی مثال ہے۔ مثال کے طور پر یہ مکالمہ ملاحظہ ہو:

> ٹھیک چار بجے مسز ہاورڈ آ گئیں۔ اماں اور آپا نے ان کا خیر مقدم کیا۔ مسز ہاورڈ کی نیلی کانچ کی گولیوں جیسی آنکھیں گھوم گھوم کر گھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ کرسی پر بیٹھتے ہی جلدی جلدی بولنے لگیں۔ آپ لوگوں سے مل کر ہم بہت کھوش ہوا ہے، آپ کا گھر بڑا اچھا ہے۔ بڑا اصاف ہے۔ دوسرا یہاں کا لوگ تو بڑا گندا گھر رکھتا ہے۔ بڑا بڑا بیگم بھی گھر صاف نہیں رکھتا۔ ہم پھر جرور آئے گا آپ لوگوں کے پاس۔
>
> ہاں! اس ملک کے لوگ بڑے گندے ہوتے ہیں۔ ہماری بھابی یعنی ہمارے بھائی کی بیوی انگریز ہے۔ اماں نے بڑے فخر سے کہا۔ (۹)

استعماری ایجنڈے کی تکمیل کرتی یہ مقامی سوچ دراصل اس طویل مدتی منصوبے کا حصہ تھی جس میں رنگ نسل کی برتری سے لے کر مذہب تہذیب، تمدن، ثقافت، علوم و افکار ذہنی صلاحتیوں نجانے کس کس طرح کی برتری کا تصور راسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اس ثقافتی برتری کے احساس کے پیدا کرنے میں بڑے پیمانے پر کامیابی بھی مقتدر طبقے کو حاصل ہوئی۔ اس ذہن سازی کی عملی تصویر زمین کی مجموعی فضا کی صورت میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جو خطہ عوام الناس کی ثقافتی امنگوں کا ترجمان بنا تھا، وہ اسی مغربی سوچ کی توسیع، ثقافتی بالا دستی استعماری جبر کی تصویر بن گیا۔

اسی طرح آنگن میں مسلم لیگ اور کانگریس کی مسابقت اور جدوجہد محض سیاسی نہیں دکھائی گئی، بلکہ اس کی بنیاد میں بھی وہی ثقافتی و مذہبی سبقت حاصل کرنے کی کوشش کارفرما ہے۔ جو خوف اور دہشت کے جذبات ابھار کر دونوں مذہبی گروہوں کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے آمادہ کر رہی ہے۔ اور ہندو مسلم تفریق پیدا کر رہی ہے۔ ہندو مسلم کرداروں کی زبانی اس کا متعدد جگہوں پر اظہار بھی ہوا ہے۔ متحدہ قومیت میں مسلم لیگ کو اپنا ثقافتی تشخص مٹتا نظر آ رہا ہے، اس لیے وہ اپنے ثقافتی خطے کے لیے کوشاں ہے۔ دوسری طرف کانگریس اقلیتوں پر اپنی

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

ثقافتی بالا دستی کے لیے کوشاں دکھائی گئی ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی طبقات کے لیے اپنی الگ سماجی و ثقافتی پہچان اور شناخت اہم مسئلہ تھی، جس کی آنگن میں تصویر کشی ہوئی ہے۔

گروہی عصبیت، مسابقت اور اقدار کا تصادم بھی دونوں ناولوں میں دکھایا گیا ہے۔ آنگن میں ہندو مسلم فسادات اسی گروہی و مذہبی عصبیت کا شاخسانہ ہیں۔ بڑے چچا بھی ناول کے اختتام میں باوجود سیاسی ہم آہنگی رکھنے کے اسی نفرت اور عدم برداشت کا نشانہ بن کر قتل ہوتے ہیں۔ زمین میں یہ عصبیت سماجی مراتب اور طبقاتی جنگ کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس میں معاشی مفادات کا تحفظ اور سماجی مرتبے کے اہداف کا تعاقب درست نادرست کے فرق کو مٹا دیتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذاتی لالچ افراد کو نظریات، اصولوں سے انحراف پر مجبور کر دیتا ہے اور وہ بہت جلد ان بڑی قربانیوں کے مقاصد کو فراموش کر دیتے ہیں جو اجتماعی مفاد کے لیے دی گئی ہوتی ہیں۔ ساجدہ کا باپ رمضان، کلو بابا، مالک کا خاندان اور بطور خاص کاظم اس ضمن میں نمائندہ کردار ہیں۔ جو جھوٹی الاٹ منٹ، لالچ، لوٹ مار، ضمیر کشی، فریب کے ذریعے سماجی مراتب طے کرنے کے چکر میں سب کچھ فراموش کر دیتے ہیں۔ بقول افضال بٹ:

> زمین میں اس عہد کی سماجی ناانصافی جذباتی اور نفسیاتی مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ پاکستان حاصل کرنے کا مقصد تو مسلمانوں کی مساوی حقوق کی تقسیم اور اسلامی طرز حیات کا کاربند بنانا تھا لیکن یہاں تو ہر شخص مفاد پرستی کے گرداب میں بری طرح پھنسا ہوا دکھائی دیتا ہے۔(۱۰)

زمین میں بیش تر کردار موقع پرست اور مفادات کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے دکھائے گئے ہیں۔ مالک کا خاندان جب اپنے ماضی کے تخیلاتی، فرضی تموّل اور شان و شکوہ کا فسانہ لے کر بیٹھتا ہے، تو افرادِ خانہ بھی ایک دوسرے پر طنز کیے بغیر نہیں رہ پاتے۔ مثلاً مالک اور اس کے بیٹوں کا دلچسپ مکالمہ ملاحظہ ہو:

> مجھے تو اس کا دکھ ہے کہ اپنے آموں کے باغ کی ایک فصل بھی نہ چکھی۔ اس کے ساتھ جو بنگلہ بنایا تھا۔ اس میں ایک دن بھی رہنا نصیب نہ ہوا۔ پنشن کے آرڈر آ گئے تھے سوچتا تھا کہ اپنے باغ کی چھاؤں میں سکون سے زندگی کے باقی دن گزار لوں گا۔ مالک نے لمبی آہ بھری۔
>
> اوہ مالک! یہ باغ اور بنگلہ، کب کا واقعہ ہے؟ مجھے تو اب پتا چلا کہ آپ اپنے بیٹوں سے بھی سب کچھ چھپاتے ہیں۔(۱۱)

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

اسی طرح ساجدہ کی ملاقات جب کالج میں اپنی پرانی کلاس فیلو انوری سے ہوئی جس کا باپ سارے محلے کے گھروں کا پانی بھرتا تھا تو وہ اپنے ماضی سے از حد شرمندہ اور خوف زدہ نظر آنے لگی:

نہیں باجی! مجھے ڈر لگتا ہے، یہاں کوئی نہیں جانتا کہ میں بہشتی کی بیٹی ہوں۔ یہاں سب یہی جانتے ہیں کہ میں ایک مل اونر کی بیٹی ہوں۔ باجی! ابّا نے تو اپنا نام بھی بدل لیا ہے اب وہ سرور حسین ہیں۔ باجی! آپ کسی سے کہیں گی تو نہیں؟ اس کی آنکھوں میں التجا کروٹیں لے رہی تھی۔ (۱۲)

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مصنفہ نے خود فریبی، معاشرتی تضادات اور منافقت کو طنزیہ انداز سے بیان کیا ہے۔ اور تقسیم کو دوسرے رخ سے بھی دیکھا ہے کہ کس طرح طبقاتی اتھل پتھل معاشرے میں بعض لوگوں کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔

عمرانی تغیر اور اس کے پیچھے کار فرما محرکات کو دونوں ناولوں میں خوش سلیقگی اور عمدگی سے گرفت میں لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سماجی تغیرات تعمیر اور تخریب دونوں طرف افرادِ معاشرہ کو لے جانے کا موجب بنتے ہیں۔ مزید یہ کہ معاشرتی تغیرات اتفاقی سے زیادہ حرکیاتی ہوتے ہیں، جو باہم سیاست، تاریخ، مذہب، ثقافت سے متصل ہوتے ہیں۔ سماجی اقدار سے انحراف بھی معاشرتی تغیر کا ایک سبب ہے، آنگن میں افرادی اور گروہی جدوجہد ایک نظریے کی حفاظت کے محرک کے تحت سرانجام پاتی ہے اور زمین میں انہی نظریات سے انحراف کی صورت ملتی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ بسااوقات اصول و نظریات سے گروہی دلچسپی لمحاتی اور ضرورت کے تحت ہوتی ہے بدلتی صورت حال میں مفاد پرستی اور حرص بہت کچھ فراموش کروا دیتی ہے۔ زمین میں اوّل دن سے نظریاتی اساس سے انحراف اور قومی مفاد سے بیگانگی اور عدم توجہی کے رویّے نظر آتے ہیں۔ مزید صفدر کی والدہ کا جاگیر دارانہ نظام سے، عالیہ کی ماں کا مشترکہ خاندانی نظام سے اور دیگر کرداروں کا انحراف بھی تغیر کی مثال ہے۔

نظریاتی اور سیاسی مسابقت چاہے افرادی ہو یا اجتماعی دونوں ناولوں کا مشترک موضوع ہے۔ یہاں مقتدر طبقے کے ہم نوا کردار بھی ہیں اور مخالف بھی، کانگریس نواز بھی ہیں اور مسلم لیگ کو پسند کرنے والے افراد بھی، اور یہ باہم برسرپیکار ہیں، زمین میں بھی نظریاتی مسابقت بدرجہ اتم موجود ہے۔

گروہی اور فردیاتی تضادات بھی نمائندہ کرداروں کے ہاں نظر آتے ہیں۔ جو شاید پورے سماج کے رویوں

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

کو ظاہر کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ مجموعی تضاد کی علامت ہیں، بقول نگینہ جبیں:

> ایک طرح سے آنگن کے کردار علامتی ہیں جو کسی نہ کسی تہذیب، سیاسی پارٹی، ہندوستانی رسم و رواج، انگریزی تعلیم، جاگیرداروں کی عیاشیوں، گمراہ اور بے روزگار نوجوان نسل کی نمائندگی کرتے ہیں۔(۱۳)

عالیہ کا بات مظہر انگریز کی ملازمت بھی کرتا ہے اور انگریز دشمنی میں افسر پر ہاتھ بھی اٹھاتا ہے۔ اسی طرح جمیل، چھمی، صلاح الدین صلو، ناظم اور دیگر کردار مختلف اوقات میں متضاد سوچ کے حامل نظر آتے ہیں۔ گروہی اعتبار سے سیاسی جماعتوں اور گروہوں کے تضادات بھی بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ مرد کرداروں کی بہ نسبت خواتین کردار زیادہ مستقل مزاج دکھائے گئے ہیں۔ مصنفہ نے مذہبی روایات پر سماجی اقدار کے حاوی ہونے کو بھی موضوع بنایا ہے۔ جس کا ثبوت اسرار میاں کا کردار ہے، عمر بھر کی نفرت اور طعن پھٹکار جس کا مقدر رہے اور عمر بھر کی خدمت کے باوجود اخیر میں گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی چھمی کا باپ بھی اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتا ہے تو اس کا خمیازہ اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے، دربدری، ناقص تربیت، عدم توجہ چھمی کو مختلف کرداری ناہمواریوں اور نفسیاتی عوارض میں مبتلا کر دیتی ہے، معاشرہ ایسے افراد کو عزت دینے میں ناکام رہتا ہے۔ ان جرائم کی سزا ان کا مقدر بن جاتی ہے جو ان سے سرزد ہوئے ہی نہیں۔ یعنی کثرتِ ازدواج چاہے مذہباً ممنوع فعل نہ ہو، معاشرتی اعتبار سے لائقِ تحسین نہیں ہے۔ یہاں معروف فرانسیسی ماہرِ عمرانیات ایمائیل ڈرخائم (Emile Durkheim) کا نظریہ اجتماعی ضمیر (Collective Consciousness) کی حقانیت بھی سامنے آتی ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو خدیجہ مستور کے ہاں تخلیقی بصیرت کے ساتھ گہرا عمرانی مشاہدہ، تجزیاتی صلاحیت اور اظہار کا عمدہ سلیقہ موجود ہے، معاشرتی اتار چڑھاؤ، سیاسی، سماجی، فکری انقلابات کو تاریخی حوادث کے پس منظر میں جانچنے کی صلاحیت قابلِ قدر ہے۔ دونوں ناول اپنے عہد اور سماج کی ہمہ جہت تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں۔ ادیب کی ذہنی تشکیل میں ذاتی رجحانات کے علاوہ جس گھریلو اور سماجی ماحول کا دخل ہوتا ہے وہ انکی تحریروں سے جھلکتا ہے۔ مصنفہ کو یہ سہولت میسر ہے کہ وہ اس پر آشوب عہد کی چشم دید گواہ ہیں۔ اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے عمرانی تجربات کو تخلیقی آہنگ کے ساتھ شعوری طور پر آمیز کیا ہے۔ ان کے بیان میں صداقت اور غیر جانب داری موجود ہے۔ ہندوستان جیسے کثیر جہتی وثقافتی معاشرے کے بیش تر پہلوؤں کو گرفت میں لانا کارِ دشوار ہے جس میں وہ کامیاب ٹھہری ہیں۔ دونوں ناول فکری اور سماجی احوال کی پیش کش کے

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

حوالے سے باہم مربوط بھی ہیں اور ایک ہی سلسلے کی کڑیاں محسوس ہوتے ہیں۔ سماجی حقیقت نگاری کا جو سلسلہ آنگن کے آخر میں منقطع ہوتا ہے، زمین کے آغاز میں جڑتا محسوس ہوتا ہے۔ باوجود خاص ادبی نظریے سے منسلک ہونے کے اس نظریے کو انھوں نے اپنے فن پر حاوی نہیں ہونے دیا اور سماجی اقدار و روایات کو تخلیقی شان کے ساتھ بلاکم و کاست سامنے لانے کی سعی ہے جو انھیں ادبی عمرانی تجزیہ کار کے مرتبے پر فائز کرتی ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر محمد حسن، ''ادبی سماجیات''، (دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۹

۲۔ تاج بیگم فرخی، ''خدیجہ مستور: شخصیت اور فن''، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء)، ص ۳۶

۳۔ خدیجہ مستور، ''مجموعۂ خدیجہ مستور''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۴۹۹

۴۔ ایضاً، ص ۵۷۷

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً، ص ۶۸۸

۷۔ ایضاً، ص ۵۷۰

۸۔ ایضاً، ص ۶۰۶

۹۔ ایضاً، ص ۶۲۴

۱۰۔ محمد افضال بٹ، ''اُردو ناول میں سماجی شعور'' (غیر مطبوعہ مقالہ)، (اسلام آباد: نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۱۳

۱۱۔ خدیجہ مستور، ''مجموعۂ خدیجہ مستور''، ص ۵۲۴

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۴۷

۱۳۔ نگینہ جبیں، ''اُردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ''، (الٰہ آباد: کیشو پرکاش، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۵۶

مآخذ

۱۔ بٹ، محمد افضال، ''اُردو ناول میں سماجی شعور'' (غیر مطبوعہ مقالہ)، اسلام آباد: نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، ۲۰۰۶ء

۲۔ جبیں، نگینہ، ''اُردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ''، الٰہ آباد: کیشو پرکاش، ۲۰۰۲ء

۳۔ حسن، محمد، ڈاکٹر، ''ادبی سماجیات''، دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۱ء

۳۔ فرخی، تاج بیگم، ''خدیجہ مستور: شخصیت اور فن''، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء

۴۔ مستور، خدیجہ، ''مجموعۂ خدیجہ مستور''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء